# مسلم سوسائٹی

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب ویز۔ ہوم ڈپارٹمنٹ نئی دہلی

اسلام کا نصب العین یہ تھا کہ دنیا میں ایک ایسی جماعت پیدا کی جائے جس میں خود یہ صلاحیت موجود ہو کہ دنیا میں عزت و وقار، ذمہ داری اور خود اعتمادی کی زندگی بسر کرے اور اس کے ساتھ ہی روحانی نشو و ارتقاء کی آخری منازل طے کرنے کے لیے اس معراج کمال تک پہنچے جو تخلیق انسانی کا مقصود کہلایا جاسکے اور اس صلاحیت کو وہ اپنے تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ جو انسان اس فضا میں سانس لے یہ جوہر انسانی اس میں بھی متعدی طور پر سرایت کر جائے حتیٰ کہ اس جماعت کی وسعت شرق و غرب کو محیط ہو جائے۔ اس سوسائٹی (جماعت) کا وجود فی احسن تقویم سب سے پہلے عرب کی اونٹ چرانے والی قوم میں اس وقت عمل میں آیا جب کہ اس معلم الحکماء۔ اعلم الناس۔ نبی امی نے اپنی پردہ کشا تعلیم اور حقیقت نما عمل سے ان میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر دیا جو چشم فلک نے نہ اس سے قبل کبھی دیکھا اور نہ پھر دیکھنے میں آیا۔ درحقیقت یہ ایک خمیر تیار کیا گیا تھا۔ کہ اس سے دوسری قومیں بھی اسی نہج و روش پر تیار کی جائیں چنانچہ اس امت وسطٰی نے پہلے اپنے اندر وہ صلاحیت پیدا کی، اور اس کے بعد جہاں جہاں وہ پہنچے، آفتاب نبوت سے جو اکتساب نور انھوں نے کیا تھا، اس کی ضیا ریاشیوں میں ہر جگہ عملاً مصروف ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

لیکن یہ دور سعادت جلد ختم ہو گیا۔ اور اس کے بعد۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے خدا کی عبادت کو

وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا

ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے پس بہت جلد ان کی گمراہی ان کے آگے آئے گی

چنانچہ آج حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی سے متعلق بیگانے جو رائے قائم کریں اسے تو بر طرف رکھیے، خود مسلمان جب اپنی حالت پر ذرا سنجیدگی سے غور کرتے ہیں تو انھیں اپنے آپ سے نفرت پیدا ہونے لگتی ہے (بشرطیکہ قلب میں احساس موجود ہو) اور یہ انسانی ذلت کی انتہا ہے کہ وہ اپنی ذات سے نفرت محسوس کرنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو عیوب عمومیت اختیار کر جائیں وہ سوسائٹی کی نگاہ میں عیوب ہی نہیں رہتے اس لیے کہ جس طرح آنکھوں کے ساتھ لگا کر کسی کاغذ کا پڑھنا مشکل ہے، انسان کے لیے اپنا آپ ناقد ہونا بھی بہت مشکل ہے۔ ہمارے پاس ایک صحیح تنقید کا معیار موجود تھا لیکن اس کو ہم نے برکات حاصل کرنے کے لیے جزدانوں میں بند کر کے رکھ دیا۔ اب ہمارے عیب و صواب میں تمیز کرے تو کون کرے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن کریم کی روشنی میں دیکھیں کہ ہماری انفرادی زندگی میں کون کون سے عیوب داخل ہو چکے ہیں جو ہماری اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ وہ کونسے جوہر تھے جو اس سوسائٹی میں موجود تھے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے، اور ہماری سوسائٹی میں ان کی بجائے کون کون سے نقائص پیدا ہو گئے ہیں۔

مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، چونکہ قرآن کریم کا مقصد ہی یہ ہے کہ ایک اس قسم کی مثالی سوسائٹی پیدا ہو جائے، لہذا اس کی تعلیم شروع سے اخیر تک اسی مشن کے لیے وقف ہے کہیں امثال و نظائر سے، کہیں عبرت و موعظت سے، کہیں تذکیر و تادیب سے، کہیں قصص و حکایات سے، کہیں اوامر و نواہی سے کہیں تبشیر و انذار سے، اسی سوسائٹی کی تشکیل و تربیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ لہذا تفصیل سے یہ بتانا کہ اس قسم کی سوسائٹی میں کون کون سی خصوصیات ہوں گی کن امور سے ان کو اجتناب اور کن پر اصرار ہوگا گویا تمام قرآن کریم کو بیک وقت سامنے لے آنا ہوگا، جو مشکل ہے۔ اس لیے عنوان زیر نظر کو ان موٹی موٹی باتوں تک محدود رکھا جائے گا۔ جو ہر روز ہمارے سامنے واقع ہوتی ہیں،

اور ان میں ہم کوئی خرابی محسوس نہیں کرتے۔ ایسے واقعات جو ہماری سوسائٹی کا خاصۂ حیات بن چکے ہیں، اور جن کے متعلق کبھی خیال بھی نہیں گذرتا کہ وہ قرآنی تعلیم کے منافی ہیں۔ لحم خنزیر کو چھو جانے والا آج بھی ہماری سوسائٹی میں "اچھوت" کہا جاتا ہے، لیکن اپنے بھائی کا تمام خون پی جانے والا دبشرطیکہ وہ ذرا ہوشیار رہا) کبھی حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔ لہذا یہی وہ خرابیاں ہیں کہ جن کو بے نقاب کرنے کی ضرورت ہے، اور انہی کی اصلاح سے قوم کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

## ا۔ تحقیق اخبار۔

رشید[1]:۔ "ہُوں میاں سنا تم نے کچھ۔ مولوی ابو سعید صاحب حج کو جاتے وقت دو ہزار روپیہ حمید کے پاس بطور امانت رکھ گئے تھے حمید صاحب صاف مکر گئے۔ اب کیا اعتبار کیا جائے ان لوگوں کی نمازوں کا۔ لاحول ولا قوۃ لیکن مختار بھائی! اس کا ابھی ذکر نہ کرنا کہیں"۔

مختار بھائی یہاں سے اٹھے اور سیدھے ابو الفضل کے پاس پہنچے۔ رشید صاحب کا بیان بلا حوالہ یوں بیان کر گئے گویا بنفس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ اور اس پر اتنا اضافہ بھی فرما دیا کہ سنا ہے مولوی ابو سعید صاحب نے دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ آخر میں وہی تاکید ان سے بھی کر دی کہ بھائی کہنا نہیں کہیں سے۔ خواہ مخواہ بیچارے کی عزت خراب ہو گی۔

ذرا انتظار کیجئے۔ دیکھیے تو گلی کوچے میں یہ خبر مشہور ہو چکی ہوگی۔ حالانکہ مولوی صاحب اور حمید دونوں آسی محلے کے رہنے والے ہیں لیکن کسی نے اتنی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ ان سے جا کر بات کی تحقیق تو کرلے۔ آپ دیکھیں گے یہ واقعات ہر روز پیش آتے ہیں۔ اور سوسائٹی میں ہزار خرابیوں کا موجب بن رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم کا صاف صاف ارشاد ہے۔

---

[1] دوئے سخن کسی کی طرف ہو تو ..... سیاہ۔ (نام سب فرضی ہیں)۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

جس بات کا تمہیں (تحقیقی) علم نہ ہو اس کے پیچھے مت ہو جایا کرو۔ یاد رکھو کان۔ آنکھ۔ قلب ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔[1]

۲۔ فتنہ انگیزی۔ کتم شہادت۔

رشید:۔ "میاں وہ حمید کے ساتھ تمہاری کیا بات ہو گئی۔ وہ تمہارے متعلق بڑی بکواس کرتا تھا۔ میں تو حیران ہو گیا۔ تمہارے خلاف بڑے الزام دھرتا تھا۔"

مختار:۔ بھئی میں تو اس سے تنگ آ گیا۔ قسم لے لو جو میں نے کبھی اس کے خلاف زبان بھی ہلائی ہو۔ لیکن نہ معلوم اسے مجھ سے کیا بیر ہے کہ ہر جگہ مطعون کرتا پھرتا ہے۔ اگر اس نے واقعی ایسا کہا ہے جیسا تم کہتے ہو تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں لیکن کیا تم یہی بات اس کے منہ پر بھی کہہ دو گے؟"

رشید:۔ "نہ بابا! میرا نام نہ کہیں لینا۔ خدا کے واسطے۔ میں نے تو تمہارے بھلے کے لئے یہ بات بتا دی۔ مجھے کیا غرض کہ اس سے عداوت مول لیتا پھروں"۔

یقین مانیے کہ یہ "بھلے کی کہنے والے" تمہارے اور سوسائٹی کے بدترین دشمن ہیں۔ انہی کے دم سے سوسائٹی تشتت و افتراق کا مرقع بن رہی ہے۔ یا تو یہ محض فتنہ انگیزی کرتے ہیں جس کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ کہ

الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

فتنہ انگیزی قتل سے بھی زیادہ خطرناک ہے

اور اگر سچ کہتے ہیں تو پھر شہادت کو چھپاتے ہیں۔ جس کے متعلق فرمایا کہ۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے۔ جو اس شہادت کو چھپائے جو ان کے پاس اللہ کی طرف سے ہے۔

[1] استیعاب مقصود نہیں۔ اس لئے صرف ایک ایک آیۃ پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔

جو شخص آپ سے ایسی بات کہے کبھی اسے تسلیم نہ کیجیے جب تک کہ وہ اہل معاملہ کے سامنے بھی شہادت دینے پر آمادہ نہ ہو۔ ایک دفعہ آپ ایسا سلوک کیجیے پھر دیکھیے آئندہ کے لیے خود بخود آپ کے "بہی خواہ" الگ ہو جائیں گے، اور آپ کا کوئی دشمن باقی نہ رہے گا۔

۳۔ منافست۔ حسد۔

رشید "میں نہیں سمجھتا کہ یہ ممبری کیا ان کے باپ دادا کی میراث ہے۔ کوئی بھی مقابلہ میں کھڑا ہو کبھی کامیاب ہی نہیں ہونے دیتے۔ خبر نہیں ان کے پاس کیا جادو ہے کہ کوئی ان کی مخالفت کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتا۔"

ان جذبات کا اظہار ایک ایسے مسلمان بزرگ کے متعلق ہو رہا ہے جنہیں خدا نے امارت دی ہے پھر وہ غریبوں کی حاجت براری کرتے ہیں۔ نیک بخت ہیں اہل محلہ ان کے سایہ عاطفت میں امن و سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر وہ مسلمانوں کی نمایندگی بھی حتی الامکان صحیح طور پر کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے انھیں کے محلہ میں یہ رشید صاحب بھی ہیں کہ ممبری کے لیے جان دے دیتے ہیں۔ حریف کے برابر صفات تو پیدا کر نہیں سکتے لیکن مارے حسد کے جلے جا رہے ہیں۔ اور طرح طرح کا پروپیگنڈا ان کے خلاف کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے جہاں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن پر اللہ کی لعنت ہے تو فرمایا۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ۔ (پ ۵) یا جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے لوگوں کو دے رکھا ہے یہ اس پر حسد کرتے ہیں۔

یہ تو رہا عام حالات کے متعلق خاص خاص ذمہ داریوں کے باب میں تو قرآن کریم نے بہت ہی بلند اصول پیش کیا ہے۔ وہ قوم و ملت کی نمایندگی کو ایک امانت (Public trust) قرار دیتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ اگر ایسی امانت تمہارے سپرد بھی کر دی جائے، اور تم دیکھو کہ تم سے زیادہ کوئی اور شخص اس کا اہل ہے ، تو خود اس سے دست بردار ہو کر یہ امانت اس کے حوالہ کر دو۔ فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۔ (۴/۵۸)

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو یا کرو۔

باقی رہا "بڑا بننے" کا جذبہ تو یقین مانیے ایسی خواہشات رکھنے والے کے لیے خدا کی بادشاہت میں کوئی جگہ نہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۔ (۲۸/۸۳)

یہ آخرت کا گھران لوگوں کے لیے ہم نے بنایا ہے جو نہ تو دنیا میں "بڑا بننا چاہتے ہیں" اور نہ ہی فساد کرنا چاہتے ہیں اور عاقبت تو خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

۴۔ تنقید و تنقیص۔

"تجویز تو یہ بڑی معقول ہے لیکن ........"

آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ ہر معاملہ میں "لیکن" ضرور لگائیں گے۔ محکم سے محکم تجویز، پختہ سے پختہ پروگرام، اعلیٰ سے اعلیٰ اسکیم ان کے سامنے رکھیے، ہر بات کو تسلیم کرنے کے بعد "لیکن" ضرور آجائے گا۔ یقین ملنیے یہ وہ لوگ ہیں کہ جو نہ خود کسی کام کو کرسکتے ہیں، اور نہ دوسروں کو کچھ کرنے دیتے ہیں۔ جن قوموں میں قوت عمل موجود ہوتی ہے، ان میں "لیکن" کہنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ چنانچہ نپولین سے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے کہہ رکھا تھا کہ ہمارے لغت میں "لیکن" کا لفظ ہی موجود نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ کرکے دکھانے والے انسانوں کو فرصت کہاں کہ وہ خواہ مخواہ کی نظری موشگافیوں میں وقت ضایع کریں۔ ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ کوئی معاملہ سامنے آیا، اس کے حسن و قبح پر پوری توجہ سے غور کیا اگر حسنات کا پہلو جھکتا ہوا نظر آیا، تو فوراً اس پر عمل شروع کردیا۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد۔

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ اللہ میاں نے سیدھا سادا

حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر دو۔ ان کے علمی قوی معطل ہو چکے تھے۔ لگے موشگافیاں کرنے، کہ اس کا رنگ کیا ہو
کس کام کے قابل ہو، داغدار ہو یا بے داغ، غرض ہزار نکتہ آفرینیوں اور حجتوں کے بعد وہ کہیں تعمیل ارشاد
پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ اس قصہ کے آخر میں فرمایا کہ وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ (وہ کرتے کراتے نظر نہیں آتے تھے)
یہ ٹکڑا فی الحقیقت ایسی قوموں کی نفسیاتی کیفیت اور ذہنیت کا ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات تقسیم
کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک تو محکم آیات ہیں، جو اصل الاصول ہیں، اور دوسری متشابہات ہیں۔ جن لوگوں کے
دلوں میں کجروی ہے، ان کی یہ حالت ہے کہ وہ ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ تاویلات
اور فتنہ پردازی کا موقعہ ملتا رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی نگاہیں ہمیشہ کمزور پہلوؤں کو تلاش کیا کرتی ہیں۔
شروع شروع میں تنقید بیجا کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بڑھتے بڑھتے تنقیص اور پھر انکار کی صورت
اختیار کر لیتا ہے۔ بس یہی نگاہیں قوم کے لیے زہر کا حکم رکھتی ہیں۔ اور دنیا میں نگاہ اور ذہنیت کے
بدل جانے سے اشیاء کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ ایک شخص ہمیشہ نالاں وشکوہ گذار رہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے
پھولوں کے ساتھ کانٹے کیوں پیدا کر دئے۔ لیکن دوسرا شخص سجدۂ شکر بجا لائے گا کہ غنیمت ہے۔ اس نے
جہاں کانٹے پیدا کئے تھے وہاں پھول بھی پیدا کر دیے۔ صاف وشفاف پانی آپ کے سامنے آئے، آپ کی
روح کو تازگی ملے گی لیکن اگر اسی پانی کو آپ خوردبین کی نگاہ سے دیکھیں تو اس میں کروڑہا کیڑے دکھائی
دیں گے۔ سو وہ آنکھیں جنھیں ہر شئے میں کیڑے ہی کیڑے نظر آئیں جتنے جلد اندھی ہو جائیں اچھا ہے۔

۵۔ بحث وجدال۔

"تم جھوٹے تمہارا باپ جھوٹا۔ اگر ایک لفظ اور کہے تو سر توڑ دونگا۔"

ایک علمی موضوع پر مبادلۂ خیالات ہو رہا تھا۔ متانت سے بیوست اور بیوست سے سب وشتم تک
نوبت پہنچی اگر بیچ بچاؤ نہ ہو جاتا تو عجب نہیں کہ دست وگریبان کا نظارہ بھی سامنے ہوتا۔ جن قوموں میں
صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ وہاں اہم مسائل اور ادق نکات بحث ونظر سے ہی طے پاتے ہیں۔ لیکن جب قومیں

روبہ تنزل ہوتی ہیں تو بحث و تمحیص اور دنگا فساد گویا مترادف سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے دستور العمل حیات کا اہم فرمان ہے کہ۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۱۲۵/۱۶

اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت و موعظت (علم و دانش اور نیک نصیحت) سے بلائیے اور ان کے ساتھ عمدہ طریق سے بحث کیجئے۔

بحث و جدل کو چھوڑیئے۔ عام گفتگو میں دیکھیے تو اس قدر بازاریت کہ "قدامت پسند طبقہ بھٹیار خانہ" کہنے پر مجبور ہو جائے "مزاح استہزا" کا پہلو لیے ہوئے۔ انداز تخاطب میں بالکل شہدپن سا ہی بے تکلفی کا مقصد یہ کہ بات چیت میں صاف عریانیت آجائے جتنا کوئی بدتمیزی میں بڑھتا جائے۔ زیادہ پاپولر ہوتا جائے۔ اور اس کا انجام یہ ہو کہ باہمی علیک سلیک بھی ختم ہو جائے۔ قرآن کریم نے پہلے ہی فطرت انسانی کو سامنے رکھ کر فرما دیا تھا۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۵۳/۱۷

میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ (آپس میں) نہایت اچھی اچھی باتیں کیا کریں یقیناً شیطان ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے اور شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

۷۔ اختلاف خیالات۔ آزادی آراء۔

اختلاف خیالات کو امت کے لیے رحمت قرار دیا گیا تھا۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ ذہنی جلاء ہمیشہ اختلافی مسائل سے حاصل ہوتی ہے۔ تجارب میں پختگی، معاملات میں استواری، خیالات میں رفعت، تجاویز میں استحکام، لائحہ عمل میں بردمندی، ہمیشہ اختلافات سے پیدا ہوتی ہے لیکن یہ اسی وقت تک کہ اختلاف آراء کو ذاتی انتقام خصومت پر محمول نہ کیا جائے۔ جونہی اس میں ذاتیات کا خیال پیدا ہوا اور ملت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے، ان کے اعمال

غارت ہو گئے۔ آج امت مسلمہ کے ادنیٰ طبقہ میں نہیں، اعلیٰ سے اعلیٰ طبقہ میں بھی نگاہ دوڑا کر دیکھئے کہیں آپ کو اختلاف آرا برداشت کرنے والے مسلمان ملتے ہیں؟ جب تک ان کی ہاں میں ہاں ملاتے جائیے اتحاد بھی ہے، پارٹی بھی ہے، یکجہتی بھی ہے، سب کچھ ہے، لیکن کسی معاملہ میں آپ آزادی ضمیر سے کام لیجئے، روحانی رہنما ہو یا مذہبی پیشوا، سیاسی لیڈر ہو یا تمدنی مصلح، آپ کے اس جرم کو بخشنے کے لیے کوئی تیار نہ ہوگا اور یہی ہمارے تمام اختلافات کی جڑ ہے۔ قرآن کریم نے جو سب سے بڑا انعام گنایا ہے وہ یہی اتحاد و مواخات ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

"اللہ کے سلسلے کو سب متفق ہو کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور متفرق مت ہو جاؤ اور تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈالدی سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم لوگ ایک آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اللہ نے تمہیں اس سے بچایا......" $\frac{۳}{۱۰۲}$ -

لیکن اس سے متصل ہی یہ آیت ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ اولئک ھم المفلحون $\frac{۳}{۱۰۳}$

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی ضروری ہے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکا کرے۔ اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے

بظاہر ان دونوں آیتوں میں شاید باہمی ربط نظر نہ آئے لیکن ذرا غور سے دیکھئے یہ بات معلوم ہو جائے گا کہ ان میں وہی ربط موجود ہے جو بطور علت و معلول اوپر عرض کیا گیا ہے۔ یعنی اتحاد کی اہمیت واضح کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ آزادی رائے اور حریت ضمیر اس اتحاد میں مانع نہ ہونی چاہیے بظاہر ہے کہ کسی کو نیکی کا حکم کرنے اور اسے برائی سے روکنے کے لیے اختلاف خیالات اور آزادی رائے کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اگر جی حضوری نصب العین ہو تو پھر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیسے ہو سکے لہذا

ان دونوں باتوں کو لازم وملزوم قرار دے کر اس کے بعد پھر اتحاد کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۔ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ ۳/۱۰۹

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے آپس میں تفرقہ ڈال لیا اور واضح دلائل آ جانے کے بعد اختلافات میں پڑ گئے۔ ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہے۔

ایک اختلاف جہالت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اور علم آ جانے کے بعد وہ رفع ہو جاتا ہے لیکن جس اختلاف کا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے وہ جہالت کے اختلاف سے کہیں سخت ہے یعنی باوجود حقیقت معلوم ہو جانے کے پھر بھی اختلاف باقی رکھا جائے۔ اس کو قرآن کریم نے دوسری جگہ بَغْيًا بَيْنَهُمْ قرار دیا ہے یعنی محض باہمی ضد کی بنا پر اختلاف۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں سے پارٹی بازی (جماعت بندی) کی ابتدا ہوتی ہے۔ خدا اور رسول۔ عدل و انصاف، علم و عقل کسی چیز سے واسطہ نہیں رہتا۔ جائز وہ جو پارٹی کے مفاد میں ہو۔ اور ناجائز وہ جو اس سے برعکس ہو۔ نہ کسی کی عزت کا خیال۔ نہ آبرو سے واسطہ کچھ کرنا پڑے کچھ کہنا پڑے۔ پارٹی کی ناک رہ جائے۔ قرآن کریم نے غیر مسلم اہل کتاب کے خلاف یہ الزام عاید کیا تھا کہ وہ غیر اہل کتاب کا مال بیدریغ کھا جاتے تھے اور کہتے تھے کہ اس میں کچھ حرج نہیں لیکن یہاں پارٹی بازی میں آ کر خود مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ فریق مخالف (جس کا جرم یہ ہے کہ وہ ان کے خیالات سے متفق نہیں) کے جان، مال، رزق، ناموس، ہر چیز پر بے محابا ہاتھ ڈال دیا جاتا ہے۔ اور جب اس مرد غازی کے مجاہدانہ کارنامے پارٹی کی مجلس میں بیان ہوتے ہیں تو ایک فلک بوس غلغلۂ تحسین و تبریک بلند ہوتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

آج کل تو پارٹیوں کے اختلاف کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا جاتا حالانکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا — جب کوئی تمہیں سلام کرے تو اس سے بہتر سلام کا

اَوْ رُدُّوْهَا۔ ۴/۸۶ جواب دو یا کم از کم اسی سلام کو لوٹا دو۔

۷۔ احسان جتانا۔

"تمہیں مہینے بھر تک تمہیں روٹیاں کھلائیں اور اب شرم نہیں آتی کہ ذرا سی بات پر کہہ رہے ہو کہ میں اپنے ضمیر کے خلاف نہیں کہہ سکتا"

بات صاف ہے اور کسی مزید توضیح کی محتاج نہیں لیکن قرآن کریم کا حکم بھی کچھ کم واضح نہیں فرمایا "جو لوگ خدا کی راہ میں مال صرف کرتے ہیں پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور نہ (اس سلوک کی وجہ سے) ایذا رسانی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے ثواب کا اجر ان کے خدا کے پاس ہے ان پر کسی قسم کا خوف و حزن نہیں۔ ۲/۲۶۲۔ "اے ایمان والو اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر باطل و برباد مت کرو" ۲/۲۶۴

(۸) انفاق ریاء۔

محلہ میں ایک بیوہ کا جوان لڑکا، اس کی دنیا کا آخری سہارا سسکیاں لے کر مر گیا، اس نے ہزار منتیں کیں کہ ایک روپیہ دوا کے لیے بطور قرض ہی مل جائے لیکن نہ مل سکا۔ اور اس بدبخت کی دنیا اجڑ گئی لیکن صبح اخباروں میں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی طرف سے کوئٹہ کے زلزلہ فنڈ کی جو فہرست شائع ہوئی تو اسی محلہ کے میونسپل کمشنر صاحب کا اسم گرامی سب سے پہلے درج تھا۔ اور ایک ہزار روپیہ اس کار خیر میں اس نام کے سامنے تحریر تھا۔ اے کاش اس کے سامنے قرآن کی تعلیم ہوتی کہ۔

"جو شخص اپنا مال لوگوں کو دکھانے کی غرض سے صرف کرتا ہے اور خدا و آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی آگئی ہو۔ پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے اور وہ اس کو بالکل صاف کر دے۔ ایسے لوگوں کو ان کی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہیں لگے گی۔ اور اللہ قوم کفار کو ہدایت نہیں کرتا" ۲/۲۶۴

مسلمان کو تو یہ حکم دیکھ کر کانپ اٹھنا چاہیے۔ ریاکاری کے انفاق کے لیے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ

و آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

۹۔ مقروض پر سختی۔

"میں تو ابھی وصول کروں گا۔ ابھی خواہ تمہیں جیل بھجوانا پڑے"۔

"بھائی میں ایک ماہ سے بیمار پڑا ہوا ہوں۔ کام پر جا نہیں سکا۔ ذرا صحت آجائے تو سب سے پہلے تمہارا قرضہ ادا کرونگا۔ میں مکرتا نہیں اطمینان رکھو۔ میری حالت پر رحم کرو"۔

"میں تو یہ بکواس سننے کو تیار ہی نہیں ہوں۔ یا روپیہ دو یا عدالت میں چلو"۔

یہ ان کی باتیں ہو رہی ہیں جن کے خدا کا حکم ہے کہ

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ اور اگر قرض دار تنگدست ہو تو اسے فراغت تک مہلت وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ دیدو۔ اور اگر معاف ہی کر دو تو اور زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھ سکو

قرضہ کے باب میں ایک اور دلچسپ نظارہ پیش آیا کرتا ہے۔ عام طور پر آپ دیکھیں گے کہ جب دو دوست باہمی دین کا معاملہ کرتے ہیں تو لکھت پڑھت کرنا گویا اپنی رفاقت و صداقت کے منافی سمجھتے ہیں۔ بعد میں جب قرضدار مکر جاتا ہے تو جگہ جگہ اسے بدنام کرتے پھرتے ہیں اور معاملہ عدالت تک پہنچتا ہے۔ اگر یہ تکلف کو برطرف رکھتے، اور خدا کے حکم پر عمل پیرا ہوتے تو یہ فضیحتا کیوں رہتا۔ فرمایا۔

اے ایمان والو جب ایک مدت معینہ تک ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو لکھ لیا کرو۔

(باقی)